نقطۂ تحقیق

پاکستان کی زمین عشری یا خراجی

مولانا مفتی غلام سرور قادری

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم۔

۱- یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔ (سورۂ بقرہ: ۲۶۷)

"اے ایمان والو! اپنی پاک کمائیوں میں سے کچھ دو اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا۔

۲- وَاٰتُوْا حَقَّہٗ یَوْمَ حَصَادِہٖ۔ (انعام: ۱۴۱)

یعنی فصل کی کٹائی کے روز اللہ کا حق ادا کرو۔

عشر کے بارے میں قرآن کریم کا یہ حکم مجمل (اجمالی) ہے جس کی تشریح و تفصیل وہ حدیثیں ہیں جنہیں ہم عشر و نصف عشر کے الفاظ کے ساتھ عنقریب لا رہے ہیں۔

عشر کب واجب ہوتا ہے؟

مطلب یہ کہ کھیتی ہو یا پھل ہوں ان سے استفادہ تو جب چاہو کر سکتے ہو، خود کھاؤ یا جانوروں کو کھلاؤ لیکن ان کی زکوٰۃ یعنی عشر اس وقت واجب ہو گا جب ان کے کامل و مکمل اور پختہ ہونے کے بعد ان کی کٹائی کا سلسلہ عمل میں آئے گا یا انہیں توڑا جائے گا۔ یوم ظرف کا تعلق آتوا کے ساتھ نہیں بلکہ حق کے ساتھ ہے یعنی عشر کا وجوب اس روز ہو گا جس روز کٹائی ہو گی یا پھل

توڑے جائیں گے جیسا کہ لوگوں میں رائج ہے۔

کون کونسی چیزوں میں عشر ہے

احناف کے نزدیک لکڑی، بانس اور گھاس کے سوا زمین کی دیگر پیداوار اگر بارش سے ہو تو اس میں عشر واجب ہے۔ یعنی دسواں حصہ اور اگر رہٹ وغیرہ سے ہو تو اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہوگا۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف علیہ الرحمۃ کی کتاب الخراج میں ہے۔

"عن ابن دینار ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فیما سقت السماء العشر و ما سقی بالرشا نصف العشر"۔[1]

یعنی جس زمین کی آب پاشی بارش سے ہو اس کی پیداوار کا دسواں حصہ اور جس زمین کی آب پاشی پانی کھینچ کر یعنی کنویں وغیرہ سے کی گئی ہو اس سے بیسواں حصہ دینا ہوگا۔

دیگر روایات میں یوں بھی ہے کہ جس زمین کی آب پاشی زمین پر بہتے پانی سے کی گئی ہو اس میں نصف عشر ہے اور جس کی قدرتی سیلاب کے پانی سے ہو اس میں عشر ہے۔[2]

عشر میں کوئی نصاب نہیں

پھر اس میں پیداوار کی کوئی حد یا نصاب متعین نہیں ہے جبکہ مال کی زکوٰۃ میں نصاب مقرر ہے۔ یہی امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا قول ہے۔ پیداوار خواہ قلیل ہو یا کثیر حسب تفصیل مذکور اس میں عشر یا نصف عشر لازم ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ پیداوار کم از کم ایک صاع (چار سیر) ہو اور بعض فقہاء کے نزدیک نصف صاع ہے۔ جن حدیثوں میں عشر یا نصف عشر کے

---

[1] کتاب الخراج، ص ۵۴۔

[2] رد المختار شرح در مختار، ج ۲، ص ۳۲۶۔

کے وجوب کا بیان ہے ان سے فقہاء احناف نے نصاب کی نفی سمجھی ہے کیونکہ ان
ں نصاب کا کوئی ذکر نہیں، بلکہ ان کے الفاظ کریمہ میں اطلاق ہے جس کا مقتضیٰ یہ ہے۔
کہ پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ اس میں عشر یا نصف عشر ہوگا۔

چنانچہ صحیح بخاری میں العشر فیما یسقی من ماء السمآء و السمآء .
الجاری کے عنوان سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے .
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فیما سقت السمآء والعیون او کان عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر[1]	یعنی جس زمین کی آب پاشی بارش اور چشموں سے کی گئی یا وہ زمین اپنے اندر کی تری سے پیداوار دیتی ہے۔ اس میں عشر ہے اور جس کی آب پاشی پانی کھینچ کر یعنی رہٹ وغیرہ سے کی گئی اس میں نصف عشر ہے۔

اور ابوداؤد شریف میں حدیث کے الفاظ کریمہ یوں ہیں۔

فیما سقت السمآء والانہار والعیون او کان بعلا العشر وفیما سقی بالسوانی او النضح نصف العشر[2]	یعنی جس زمین کی آب پاشی بارش اور قدرتی نہروں یا چشموں کے پانی سے کی گئی یا قریب کے پانی سے تری سے پیداوار ہوئی اس میں عشر ہے اور جو رہٹ سے سیراب کی گئی اس میں نصف عشر ہے۔

---

[1] صحیح البخاری: ج ۱، ص ۲۰۱۔

[2] ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۳۲۔

اور صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فیما سقت الانہار والغیم العشر وفیما سقی بالسانیۃ نصف العشر [1]	یعنی جو زمین نہروں کے مفت پانی اور بارش سے سیراب کی گئی ہو اس کی پیداوار میں عشر لازم ہے اور جو اونٹوں کے ذریعے رہٹ وغیرہ سے پانی کھینچ کر سیراب کی گئی ہو اس میں نصف عشر ہے۔

اور صحیح امام ابن ماجہ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ:

اخذ مما سقت السماء وما سقی بعلا العشر وما سقی بالدوالی نصف العشر [2]	جو زمین بارش یا آس پاس کے قریب کے پانی کی تری سے سیراب کی گئی اس کی پیداوار سے عشر وصول کروں اور جو رہٹ وغیرہ کے ڈولوں سے پانی کھینچ کر سیراب کی گئی اس کی پیداوار سے نصف عشر لوں۔

اور استاذ المحدثین حافظ کبیر امام عبد الرزاق علیہ الرحمۃ متوفی ۲۱۱ھ اپنی مصنف میں روایت کرتے ہیں کہ:

کتب عمر بن عبد العزیز ان یؤخذ مما انبتت الارض	حضرت عمر بن عبد العزیز نے حکم لکھا کہ زمین جو پیداوار برآمد کرے خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ

---

[1] صحیح مسلم باب ما فیہ الزکوٰۃ من الاموال، ج ۱: ص ۳۱۶۔

[2] صحیح ابن ماجہ باب صفۃ الزروع والثمار، ص ۱۳۱۔

من قليل او كثير العشر [1] اس سے عشر لیا جائے۔

اس کے بعد امام عبدالرزاق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

یہ بات حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے بھی مجھے پہنچی ہے۔

پھر امام کبیر حافظ شہیر امام ابوبکر عبداللہ بن محمد المعروف امام ابن ابی شیبہ علیہ الرحمۃ متوفی ۲۳۵ھ اپنی مصنف میں حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

فيما اخرجت الارض فيما قل [2] زمین جو پیداوار دے خواہ تھوڑی ہو او كثر العشر او نصف العشر [2] یا زیادہ اس میں عشر یا نصف عشر ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ متوفی ۱۵۰ھ کی فقہ میں جن حدیثوں کے اطلاق سے بطور استدلال یہ بات ثابت کی جاتی ہے کہ پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ اس میں عشر یا نصف عشر ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ متوفی ۱۰۱ھ اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ کے دونوں کے ارشادات سے وہ استدلال منصوص ہو گیا کہ وجوب عشر میں کوئی نصاب مقرر نہیں ہے ان تمام حدیثوں میں پیداوار کی کوئی حد بتائے بغیر عشر کا حکم ارشاد فرمایا گیا ہے۔ صاحبین نے پانچ وسق (تیس من) کا نصاب مقرر فرمایا ہے اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام بخاری و مسلم روایت کرتے ہیں کہ پانچ وسق سے کم پیداوار میں صدقہ نہیں۔ امام اعظم علیہ الرحمۃ کی طرف سے اس کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق تجارت کی زکوٰۃ سے ہے کیونکہ اس وقت وسق کے ذریعے خرید و فروخت کا معاملہ کیا جاتا تھا اور ایک وسق کی قیمت چالیس

---

[1] المصنف لعبدالرزاق؛ ج ۴، ص ۱۲۱۔

[2] مصنف ابن ابی شیبہ؛ ج ۳، ص ۱۳۹۔

رہم تھی اس لحاظ سے پانچ وسق کی مالیت دو سو درہم قرار پائی ہے اور یہی زکوٰۃ کا نصاب ہے۔[۱]

اور گھاس، بانس یا لکڑی جس میں عشر نہیں اس سے مراد خود رو ہیں یعنی جو

اگائے بغیر قدرتی طور پر اُگ پڑتی ہے کسی نے انہیں کاشت نہ کیا ہو اور اگر کوئی یہ

چیزیں قصداً کاشت کرے اور ان کی کاشت سے مفاد اٹھانا مقصود ہو جیسے کہ بعض لوگ

ایسا کرتے بھی ہیں تو پھر ان چیزوں میں عشر لازم ہے۔ (لو اتخذها مقصبة او مشجرة

او منبت للحشيش يجب فيها العشر[۲])

جب یہ بات مسلم رہی کہ عشر کا کوئی نصاب نہیں ہے بلکہ زمین کی پیداوار تھوڑی

ہو یا زیادہ اس پر عشر یا نصف عشر لازم ہے تو حکومت پاکستان کا عشر کے لیے نصاب

مقرر کرنا کیونکر درست ہوگا؟ یہ سوال مرکزی زکوٰۃ کونسل کے اجلاس میں بھی اٹھایا گیا

جس کی صدارت صدر پاکستان جناب جنرل محمد ضیاء الحق فرما رہے تھے، صدر پاکستان

نے ارشاد فرمایا کہ اگر علماء کرام یہی چاہیں تو حکومت نصاب کی تحدید و تعیین کو واپس

لے لیگی، اس پر راقم نے صدر صاحب سے عرض کیا اور فاضل سائل کو اس امر کی

طرف متوجہ کیا کہ حکومت نے جو عشر کے لیے پیداوار کی حد متعین کر دی ہے یہ وجوب

عشر کے لیے نہیں بلکہ وصول عشر کے لیے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس قدر پیداوار پر

حکومت کو عشر ادا کرنا ضروری ہوگا اور اس سے کم پیداوار کے عشر کی ادائیگی کا معاملہ

پیداوار کے مالک کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ جہاں چاہے اور جسے چاہے اپنی

مرضی سے دیدے۔ راقم کے اس جواب سے صدر صاحب خوش ہوئے اور

---

[۱] ہدایہ، ج ۱: ص ۱۸۳ طبع دہلی

[۲] 〃 〃 〃 ۱۸۴ 〃 〃

فاضل سائل بھی مطمئن ہوگئے۔ لہٰذا مسئلہ یہی ہے کہ زمین کی پیداوار خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ اس پر حسب تفصیل مذکور عشر واجب ہوگا جس حد تک حکومت وصول کرنا چاہتی ہے۔ وہ کرے اس کو ادا کرنے کے بعد بقیہ پیداوار کا عشر مالک کو اپنے طور پر اسلامی جذبہ سے مستحقین کو دینا ہوگا وہ معاف نہ ہوگا۔

عشر زمیندار پر یا مزارع پر؟

امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنے فتاویٰ شریف میں فقہاء کے فیصلوں کی بہترین تنقیح کرکے مسئلہ کو نہایت خوبی کے ساتھ واضح فرمایا ہے، ملاحظہ ہو:

"زمین اگر بٹائی پر دی جائے، یعنی مزارع کے لیے پیداوار کا حصہ مثلاً نصف (½) یا ثلث (⅓) غلہ قرار دیا جائے، تو مالک زمین پر صرف بقدر حصہ عشر آئے گا۔ مثلاً مزارعت بالمناصفۃ (½) کی صورت میں سو من غلہ پیدا ہوا تو زمیندار پانچ من عشر میں دے اور اگر (زمین) اجارہ پر دی گئی جسے لوگ نقشی کہتے ہیں، مثلاً سو روپیہ بگھہ پر اٹھائی، تو (بمطابق قول صاحبین رحمہما اللہ) کل عشر مزارع پر ہے، ہمارے بلاد میں یہی (قول صاحبین) اوفق بالناس ہے۔"[1]

کیونکہ اس صورت میں زمیندار پر عشر واجب کرنا اس کے لیے ناقابل برداشت بوجھ ہو جائے گا جس سے اگر ایک کو معاشی سہولت ضرورت سے زیادہ حاصل ہو گی تو دوسرے کے لیے مشکل پیدا ہو جائے گی۔

پریشاں ہو کے میری خاک آخر دل نہ بن جائے
جو مشکل اب ہے یا رب پھر وہی مشکل نہ بن جائے

---

[1] الخ رج ۴، ص ۲۵۴، کذا فی البحر ج ۲، ص ۲۵۵، وفی المزارعۃ علی قولہما فالعشر علیہما بالھ

عشر و خراج کا مصرف

عشر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے۔ البتہ خراج کا حکم اور ہے وہ یہ کہ خراج کا مصرف لشکر اسلام ہی نہیں، تمام مصالح عامۂ مسلمین ہیں۔ جن میں تعمیر مساجد و خرچ مساجد و وظیفۂ امام و موذن و بنائے پل و سرائے و تنخواہِ مدرسین عالم دین و خبر گیری طلبہ علوم دین و خدمت علماء حق حامیانِ دین مشغولین درس و وعظ و افتاء وغیرہا امور دین سب داخل ہیں۔[1]

زمین کے عشری ہونے کی صورتیں

کسی زمین کے عشری ہونے کی آٹھ صورتیں ہیں۔

۱۔ مفتوحہ اراضی جو مجاہدینِ اسلام میں تقسیم کی گئیں۔

۲۔ لڑائی کے بغیر از خود مسلمان ہونے والوں کی زمینیں۔

۳۔ کاشت ہونے والی زمین جو عشری کے قریب ہے۔

۴۔ عشری و خراجی زمین سے یکساں قریب کاشت ہونے والی یا عشری یا خراجی دونوں پانیوں سے سیراب ہونے والی زمین۔

۵۔ مسلمان کا مکان جو کھیت یا باغ بن گیا۔

۶۔ عشری زمین خرید کردہ ذمی کو مسلمان نے شفعہ میں لے لیا یا سقم شرعی سے بیع فاسد یا خیار شرط یا خیار رویت سے بیع ٹوٹ گئی یا خیار عیب سے بحکم قاضی واپس ہوگئی۔

۷۔ افتادہ زمین کہ جسے مسلمان نے آباد کیا۔

۸۔ غیر مسلم لاوارث بچے مرنے کے بعد اس کی زمین مسلمان کے قبضہ میں آگئی ان سب صورتوں میں عشر یا نصف عشر ہوگا۔ جب ان زمینوں کا عشر بیت المال

---

[1] فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص ۴۵۶ تا ۴۵۷۔

میں جمع ہو کر مستحقین مملکت میں تقسیم ہوگا، تو انشاءاللہ تعالیٰ معیشت نظامِ مصطفیٰ کی برکت سے مملکتِ پاک کے باشندوں کو فارغ البالی کا وہی مقام اور بادۂ وجام ہاتھ آجائے گا جسے ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام نے ان سے چھین لیا ہے[۵]

لا اک بار پھر وہی بادہ وجام اے ساقی
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی

کونسی صورتوں میں زمین سے خراج لینے کا حکم ہے؟

کسی زمین کے خراجی ہونے کی صورتیں بھی آٹھ ہیں۔

۱۔ مفتوحہ اراضی کہ غیر مسلم مفتوحین کے پاس رہنے دی گئیں۔

۲۔ غیر مسلم بہ صلح اطاعت قبول کر کے ذمی کی حیثیت سے پناہ میں آگئے، انکی زمینیں۔

۳۔ غیر مسلم ذمی نے مسلمان سے عشری زمین خریدی۔

۴۔ افتادہ (غیر آباد) زمین کہ اسے بہ اجازت سلطان غیر مسلم ذمی نے آباد کیا۔

۵۔ مسلمان کی آباد کردہ افتادہ زمین کہ خراجی زمین کے قریب یا خراجی پانی سے سیراب ہو۔

۶۔ مفتوحہ غیر منقسم اراضی کہ تاقیامت مسلمانوں کے لیے چھوڑ دی گئیں۔

۷۔ زمین کے مالک مر گئے اور وہ بیت المال میں آگئی۔ جب ان سب اراضی کا خراج بیت المال میں جمع ہوگا، تو انشاءاللہ تعالیٰ معاشی مشکلات خود بخود حل ہو جائیں گی نیز خراج کا تعلق عشر کے برعکس پیداوار کی بجائے صرف زمین سے ہے خواہ آباد کرے یا نہ کرے۔

خراج کی قسمیں

خراج کی دو قسمیں ہیں۔ ایک خراج مقاسمہ یعنی پیداوار کا حصہ آدھا یا تہائی یا چوتھائی وغیرہ کی صورت میں مقرر کیا جائے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں پر مقرر کیا۔ دوسرا خراج موظف کہ فی بیگھہ رقم کی ایک مقدار مقرر کردی جائے۔ جیساکہ امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کیا تھا[۱]۔

ا۔ ا ۔ ا۔ ۔ ا۔ ا۔ ا ج

برِصغیر پاک و ہند میں ملکیّتِ زمین کا مسئلہ

ہند و پاک کی زمینوں کی پیداوار پر عشر لازم ہے یا خراج؟ اس سلسلے میں یہاں کی زمینوں کی حیثیت پر غور کرنا ضروری ہے کیونکہ اس سے زیرِ بحث مسئلہ کے حل کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ:

"برصغیر کی زمینیں سوادِ عراق کا حصہ تھیں اور علماء کا اتفاق ہے کہ اس کی بھی وہی حیثیت ہے جو حضرت عمرؓ نے عراق کی زمین کو دی تھی"

اس خیال سے ہمیں اتفاق نہیں کیونکہ یہ محض دعویٰ ہی ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی گئی۔ اور نہ ہی کسی معتبر کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے اور نہ ہی اس سلسلے میں علماء کا اتفاق پڑھنے یا سننے میں آیا ہے۔ برصغیر کی زمینوں کو عراق کی زمین کے ساتھ پیوست کرنا قطعاً غلط اور ناقابلِ فہم ہے سوائے اس کے کہ ہندوستان کے حضرت جلال تھانیسری علیہ الرحمۃ ایسے بعض علماء کی قیاس آرائی اور انفرادی خیال اس کی بنیاد قرار پائے کوئی فقہی ضابطہ یا شرعی دلیل دستیاب نہیں ہے۔

جناب شہاب کی مغالطہ دہی

ایک صاحب نے "اراضی ہند کے بارے میں شاہ عبدالعزیز کا فتویٰ" کا عنوان قائم فرما کر قارئین کو مغالطہ دیا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب بھی ہندوستان کی زمینوں کو بیت المال کی مملوکہ زمین قرار دے کر اس پر خراج عائد کرنے کے قائل ہیں جبکہ صورتحال اس کے برعکس ہے۔ ان صاحب کے قبل ازیں بھی کچھ مضامین اخبارات میں چھپتے اور پڑھنے میں آتے رہے ہیں۔ راقم نے جب بھی ان کے درج کردہ حوالہ جات کو متعلقہ کتب میں دیکھا ہے انہیں خلاف واقعہ اور مغالطہ دہی پر ہی مشتمل پایا۔

ہے نہ معلوم موصوف عمداً ایسا فرماتے ہیں یا ان میں کتابوں سے استفادہ کی صلاحیت کا فقدان ہے بہر صورت دونوں امر قابلِ افسوس ہیں۔

آئیے ہم شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی کی فارسی کی عبارات جو ان کے فتاویٰ میں موجود ہیں۔ قارئین کی خدمت میں من و عن پیش کرکے قارئین انصاف کے خواہاں ہوں ؛

ایں ہمہ قواعد را بر آنچہ دریں ملک رائج است اگر تطبیق نمیتواں داد زیرا کہ زمینداراں در ہر جا دعویٰ مالکیت خود مینمایند پس زمینے کہ مملوک بیت المال است دریں ملک موجود نیست و ہم چنیں زمین موات یا زمینے کہ بجہت عدم وارث در بیت المال داخل شدہ باشد یا آنرا از مال خراج خریدہ باشد متحقق نیست و اگر باشد ممیّز نیست پس ایں حکم را در جائے مومن جاری کردن ممکن نخواہد شد و بہر حال در حال زمین اینجا شبہ است [1]

امام کے کسی کو زمین دینے کے شرعی قواعد کو اس صورتحال پر منطبق کرنا جو اس ملک ہندوستان میں رائج ہے ممکن نہیں کیونکہ یہاں ہر جگہ زمیندار لوگ زمینوں کے مالک ہونے کے دعوے کرتے ہیں پس جو زمین بیت المال کی ملکیت ہوتی ہے اس ملک (ہندوستان) میں موجود نہیں اسی طرح زمینیں موات یا وہ زمین جو لاوارث ہونے کی وجہ سے بیت المال میں داخل کی گئی ہو یا اسے خراج کے مال سے خریدا گیا ہو موجود نہیں اور اگر ہو بھی تو اس کا بظاہر کہیں نشان نہیں لہذا کسی بھی جگہ پر اس حکم کا جاری کرنا ممکن نہ ہوگا اور بہر حال ہندوستان کی زمینوں کا حال مشکوک و مشتبہ ہے۔

---

[1] فتاویٰ عزیزی جلد ۱ : ص ۳۴۳، ۳۴۴

لیجئے یہ ہے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا صحیح فتویٰ جس کی فارسی عبارت ہم نے قارئین کی خدمت میں پیش کر دی ہے اس کے بعد شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے مولانا جلال تھانیسری کا خیال بھی تحریر کر دیا ہے جیسا کہ انصاف پسند اہل علم کی عادت ہوتی ہے۔ شاہ صاحبؒ نے واضح فرما دیا ہے کہ اس ملک میں ان صورتوں کی تطبیق ممکن نہیں جن کے تحت خراج کا حکم نافذ کیا جا سکے کیونکہ یہاں کے زمیندار قدیم سے زمینوں کے مالک ہونے کے دعوے کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب کسی کے دعویٰ کی نفی کی کوئی دلیل نہ ہو اس کا دعویٰ مسترد نہیں کیا جا سکتا اور رہا دعوی کے جواز و صداقت کی دلیل کا مطالبہ تو اس سلسلے میں صاحب دعوٰی کا قبضہ ہی صداقت دعوٰی کی دلیل کافی ہے ہم اپنی کتاب "معاشیات نظام مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم" میں اس موضوع پر مدلل روشنی ڈال چکے ہیں اور بالخصوص ہم نے کتاب میں وہ واقعہ بھی نقل کیا ہے جس میں امام نووی رحمۃ اللہ شارح صحیح مسلم کے بارے میں ہے کہ انہوں نے سلطان مصر کو لوگوں کی زمینوں کو بیت المال کی تحویل میں لینے سے منع کیا تھا چنانچہ علامہ شامی امام ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ کے فتاوٰی فقہیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سلطان مصر جناب بیبرس نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ وہ اپنی اپنی زمینوں کے مالکانہ دستاویزات پیش کریں ورنہ ان کی زمینیں بیت المال کی ملکیت متصور ہوں گی تو امام نووی علیہ الرحمۃ نے اس شاہی فرمان کی مخالفت کی۔

واعلمه بان ذلك غاية الجهل والعناد وانه لا يحل عند احد من علماء المسلمين بل	اور اس پر واضح کر دیا کہ اس کا یہ اقدام انتہائی جہالت اور ہٹ دھرمی ہے اس قسم کا اقدام علماء اہل اسلام میں سے کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص کے

من فی یدہ شیء فهو	قبضہ میں کوئی چیز ہے وہ اس کا مالک ہے
ملکه لا یحل لاحد	اس پر کسی کو بھی اعتراض کرنا جائز نہیں
الاعتراض علیه ولا	اور نہ ہی صاحب قبضہ کو اسبات کی تکلیف
یکلف اثباته ببینة	دینا درست ہے کہ وہ دلائل سے ثابت
ولا زال النووی رحمة	کرے کہ وہ اس کا مالک ہے شیخ الاسلام
الله تعالیٰ یشنع علی	نووی سلطان کی اس اقدام پر تہدید کرتے
السلطان و یعظهٗ الی	اور نصیحت فرماتے رہے یہاں تک کہ وہ
ان کف عن ذٰلك [1]	اس اقدام سے باز آ گیا۔

یہاں اراضی ہند و پاک کی صورت حال بھی کچھ ایسی ہے کہ یہاں کے زمیندار ان پر ابض و متصرف چلے آ رہے ہیں اور ان کی حسب مرضی خرید و فروخت۔ ہبہ و بخشش کرتے چلے آ رہے ہیں ان کے وارث ان کے بعد باہم تقسیم کرتے رہے ہیں جیسا کہ شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ محدث دہلوی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے ایسی صورت میں حسب فیصلہ علماء اہل اسلام بالخصوص فتوائے شیخ الاسلام امام نووی علیہ الرحمۃ کی روشنی میں ہی زمیندار ہی ان زمینوں کے مالک ہیں، ان کی زمینوں کو بیت المال کی زمینیں تصور کرتے ہوئے ان پر عشر کی بجائے خراج عائد کرنا گذشتہ دلائل کی رو سے ہرگز درست نہ ہو گا۔ ور اگر بالفرض والتقدیر مولانا جلال تھانیسری علیہ الرحمۃ کے بقول یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ اصل مالک تو مسلمانوں کا بیت المال تھا" اور ان زمینوں پر" ارض الحوز" صادق بھی آئے اور شروع شروع میں ایسا ہی ہوا اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ عرصہ دراز تک ایسا ہی رہا

---

[1] رد المختار علی الدر المختار للشامی، ج ۴، ص ۱۸۱۔

جب بھی اس بات کا امکان ہے کہ سلاطین اسلام نے اراضی بیت المال ان زمینداروں کے آباء واجداد کے حوالے کی ہوں کہ وہ انہیں آباد کریں اور یہ قاعدہ ہے کہ مملکت یا بیت المال کی غیر آباد زمینوں کو مسلمان آباد کرے تو وہ اس کی ملک ہو جائیں گی اور اس میں عشر ہوگا نہ کہ خراج کیونکہ عشر میں عبادت کا پہلو ہے اور خراج میں عقوبت کا تو مسلمان اہل عبادت ہے اس لیے اس کی آباد کردہ زمین پر عشر ہوگا چنانچہ عراق کی زمینیں بیت المال کی ملکیت تھیں اور سواد عراق میں سے ایک بصرہ بھی ہے بصرہ کی زمینیں بھی سواد عراق کا ایک حصہ ہونے کی وجہ سے بیت المال کی تھیں مگر وہ غیر آباد تھیں اور ان پر خراج تھا کیونکہ خراج کے لیے زمین کی پیداوار شرط نہیں غیر آباد پر خراج ہے جبکہ اس میں آباد ہونے کی صلاحیت و استعداد موجود ہو چنانچہ بحر الرائق میں ہے فلو تمکن ولم یزدع وجب الخراج[1]۔ وکذا فی الهدایه[2] لیکن جب اراضی بصرہ کو مسلمانوں نے آباد کیا تو ان پر خراج کی بجائے بہ اجماع صحابہ کرامؓ عشر نافذ کیا گیا۔ چنانچہ درمختار میں ہے والبصرة ایضا باجماع الصحابة عشریة لانه الیق بالمسلم کہ بصرہ کی زمینیں بھی بہ اجماع صحابہ عشری ہیں کیونکہ عشر مسلمانوں کے شایانِ شان ہے۔ اس پر علامہ شامی فرماتے ہیں کہ:

والقیاس ان تکون خراجیة لانها بقرب ارض الخراج واحیاها المسلمون[3].	یعنی قیاس یہ ہے کہ بصرہ کی زمینیں خراجی ہوں (جیسا کہ امام ابویوسف کا قول ہے) لیکن زمانہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں انہیں مسلمانوں نے آباد کیا تھا اس لیے وہ عشری ہیں۔

[1] البحر الرائق: ج ۲: ص ۲۵۴۔

[2] الهدایه: ج ۱: ص ۱۸۶۔

[3] رد المحتار للشامی: ج ۴: ص ۱۷۶۔

امام ابو یوسف و امام محمد میں اختلاف ہے کہ بصرہ کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی اگر قرب و [د]یار کی زمینوں کو دیکھا جائے تو وہ خراجی ہیں اس لیے امام ابو یوسف ان کے خراجی ہونے [کا] فتویٰ دیتے ہیں اور اگر اسباب کو دیکھا جائے کہ ان کے آباد کنندگان مسلمان ہیں تو وہ [ع]شری قرار پاتی ہیں۔ یہی امام محمد کی رائے ہے علامہ شامی بالآخر امام محمد علیہ الرحمۃ کی رائے کو لائق [ا]عتماد قرار دیتے ہیں کیونکہ یہی مسلمانوں کے لائق ہے کیونکہ اس میں عبادت کا پہلو ہے جبکہ خراج میں عبادت کا نہیں عقوبت کا تصور ہے چنانچہ امام سرخسی علیہ الرحمۃ تو کسی بھی حال میں اہل اسلام پر خراج نافذ کرنے کے قائل نہیں بلکہ وہ بہر صورت عشر کو ہی واجب قرار دیتے ہیں۔

ان الامام السرخسی ذکر فی کتاب الجامع ان [ع]لیه العشر بکل حال لانه احق [ب]العشر من الخراج وهو الاظهر۔[1]

کہ امام سرخسی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب الجامع میں ذکر فرمایا کہ مسلمان پر بہر صورت عشر ہی ہے کیونکہ خراج کی نسبت عشر اس کے شایان شان ہیں۔

لیکن یہ گفتگو بھی علی سبیل التنزل تھی ورنہ اگر بقول شخصے "ہندوستان کی زمینیں سواد عراق کی مانند ہیں" کو تسلیم کر لیا جائے تو ہندوستان کی زمینیں بیت المال یا سرکار کی ملکیت نہیں بلکہ ان زمینداروں کی ہی ملکیت قرار پاتی ہیں جو ان کے مالک ہونے کے دعوے دار ہیں کیونکہ احناف کے نزدیک سواد عراق کی اراضی قابضین کی ملکیت تھیں وقف علی المسلمین اور مملوکہ بیت المال نہ تھیں جبکہ ائمہ ثلاثہ سواد کی اراضی کو مسلمانوں کے لیے وقف قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ در مختار میں ہے کہ:

---

[1] البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۵۷۔

الخراج وهذه الارضون	میں فرماتے ہیں کہ یہ زمینیں (جو جنگ سے
اذا قسمت فھی ارض	فتح ہوئیں) جب تقسیم کردی جائیں تو وہ
عشر وان ترکھا الامام	عشری ہیں اور اگر سربراہ اسلام ان کے
فی ایدی اھلھا الذین	باشندوں کے پاس ہی ان زمینوں کو چھوڑ
قھروا علیھا فھو حسن	دے جن پر جنگ سے فتح پائی گئی تو بہتر
فان المسلمین افتتحوا	ہے کیونکہ عراق وشام ومصر کی زمین کو مسلمانوں
ارض العراق والشام	نے فتح کیا اور اس کا کوئی حصہ بطور مال غنیمت
ومصر ولم یقسموا	تقسیم نہ کیا بلکہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ
شیئا من ذٰلك بل وضع رضی اللّٰہ	نے ان زمینوں پر خراج لگایا اور ان میں
عنہ علیھا الخراج ولیس فیھا خمس اھ	خمس نہیں اس تحقیق نے یہ فائدہ بہم پہنچایا
ملخصا[1] فقد افاد انھا مملوکۃ لاھلھا۔	کہ یہ زمینیں ان کے باشندوں کی ملکیت ہیں۔

درمختار اور شامی سے اس حقیقت کا کھلا ثبوت فراہم ہوگیا کہ سواد عراق کی زمینوں کو سرکاری ملکیت قرار دینا اس طرح اس پر ہندوستان کی زمین کو بھی سرکاری یا بیت المال کی مملوکہ تصور کرنا بناءِ فاسد علی الفاسد کے مترادف ہے۔ سواد عراق کی زمین ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تو وقف علی المسلمین ہے مگر حنیفہ کے نزدیک نہیں۔ احناف کے نزدیک سواد کی زمینیں وہاں کے باشندوں کی ہی ملکیت ہیں۔ اسی طرح طحطاوی[2] علی الدرالمختار میں ہے وتصرفھم فیھا بھبۃ ووصیۃ واجارۃ ووقف وتوارث عنھم

[1] ردالمحتار شرح الدرالمختار ؛ ج ۴ ؛ ص ۱۷۷ تا ۱۷۸۔

[2] الطحطاوی علی الدرالمختار ؛ ج ۲ ؛ ص ۴۶۳۔

وارض السواد مملوكة	سواد عراق کی زمین ان کے باشندوں
لاهلها يجوز بيعهم لها و	کی ملکیت ہے وہ اسے بیچ بھی سکتے ہیں
تصرفهم فيها له	اور ہر قسم کا تصرف کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

یہ ہے مسئلہ کی اصلی صورت حال کہ وہ سواد عراق پر ہندوستان کی زمینوں کو قیاس فرماتے ہیں تو انہیں کے حسبِ قیاس ہندوستان کی زمین بھی ہندوستانی باشندوں اور ملکیت کے دعویداروں کی قرار پائیں گی۔

علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ :

ای سواد العراق ای	سواد عراق یعنی اس کے دیہات کی زمین اسی
قراة وكذا كل ما فتح	طرح جو زمین جنگ سے فتح کی گئی اور اس
عنوة واقر اهله عليه	کے باشندوں کو اس پر برقرار رکھا گیا۔ یا ان
اوصولحوا و وضع الخراج	کی زمینوں پر خراج مقرر کرکے ان سے
على اراضيهم فهي مملوكة	مصالحت کی گئی وہ ان باشندوں (سابق
لاهلها وكذا ارض	مالکان) کی ہی ملکیت ہیں اور اسی طرح شام
الشام ومصر فتحت	مصر کی اراضی جو قول صحیح کے مطابق جنگ
عنوة على الصحيح واقر	سے فتح کی گئی اور اس کے باشندوں کو
اهلها عليها بالخراج	خراج ساتھ وہاں برقرار رکھا گیا۔ بیشک
فقد قال ابو يوسف في كتاب	امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کتاب الخراج

---

[1] الرد المحتار : ص ۳۳۷ طبع دہلی۔

الخراج وھذہ الارضون اذا قسمت فھی ارض عشروات ترکھا الامام فی ایدی اھلھا الذین قھروا علیھا فھو حسن فان المسلمین افتتحوا ارض العراق والشام ومصر ولم یقسموا شیئا من ذلک بل وضع رضی اللہ عنہ علیھا الخراج ولیس فیھا خمس اھ ملخصا فقد افاد انھا مملوکۃ لاھلھا [1]

ہیں فرماتے ہیں کہ یہ زمینیں (جو جنگ سے فتح ہوئیں) جب تقسیم کردی جائیں تو وہ عشری ہیں اور اگر سربراہ اسلام ان کے باشندوں کے پاس ہی ان زمینوں کو چھوڑ دے جن پر جنگ سے فتح پائی گئی تو بہتر ہے کیونکہ عراق وشام ومصر کی زمینیں مسلمانوں نے فتح کی اور اس کا کوئی حصہ بطور مال غنیمت تقسیم نہ کیا بلکہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان زمینوں پر خراج لگایا اور ان میں خمس نہیں اس تحقیق نے یہ فائدہ بہم پہنچایا کہ یہ زمینیں ان کے باشندوں کی ملکیت ہیں۔

درمختار اور شامی سے اس حقیقت کا کھلا ثبوت فراہم ہوگیا کہ سواد عراق کی زمینوں کو سرکاری ملکیت قرار دینا اسی طرح اس پر ہندوستان کی زمین کو بھی سرکاری یا بیت المال کی مملوکہ تصور کرنا بناءِ فاسد علی الفاسد کے مترادف ہے۔ سواد عراق کی زمین ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تو وقف علی المسلمین ہے مگر حنفیہ کے نزدیک سواد کی زمینیں وہاں کے باشندوں کی ہی ملکیت ہیں۔ اسی طرح طحاوی علی الدرالمختار میں ہے۔ وتصرفھم فیھا بھبۃ ووصیۃ واجارۃ ووقف وتورث عنھم [2]

---

[1] ردالمختار شرح الدرالمختار۔ ج ۴۔ ص ۱۷۷، ۱۷۸۔

[2] الطحاوی علی الدرالمختار۔ ج ۲۔ ص ۴۶۲۔

یعنی عراق کے زمینوں والے ان زمینوں میں ہبہ و وصیت و اجارہ و وقف ایسا تصرف کر سکتے ہیں اور ان کی وراثت بھی جاری ہو گی۔

اسی طرح ہدایہ میں ہے:

وارض السواد مملوکۃ لاھلھا یجوز بیعھم لھا و تصرفھم فیھا لان الامام اذا فتح ارضا عنوۃ وقھرا لہ ان یقر اھلھا علیھا ویضع علیھا وعلی رؤسھم الخراج فتبقی ...... الاراضی مملوکۃ لاھلھا لہ	اور سواد عراق کی زمینیں وہاں کے لوگوں کی ملکیت ہیں وہ انہیں بیچ سکتے ہیں اور ہر قسم کا تصرف کر سکتے ہیں کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ امام جب کسی زمین کو جنگ کے ذریعے فتح کرے تو اسے اختیار ہے کہ وہ (اسے مجاہدین میں تقسیم کرنے کی بجائے) وہاں کے باشندوں کو وہاں برقرار رکھے اور ان پر خراج مقرر کردے (جو بیت المال کو دیا جایا کرے) اور زمین وہاں کے باشندوں ہی کی ملکیت رہے گی۔

امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد السیواسی ثم السکندری الشہیر بابن الہمام الحنفی علیہ الرحمۃ المتوفی ۶۸۱ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

وارض السواد مملوکۃ لاھلھا یجوز بیعھم وتصرفھم فیھا	سواد عراق کی زمینیں وہاں کے لوگوں (زمینداروں) کی ملکیت ہے وہ اس میں بیع، رہن اور ہبہ ایسے ہمہ قسم کے

لہ الہدایہ، ج ۲، ص ۵۶۷ - طبع دہلی۔

دن والهبة۔[1] تصرف کرسکتے ہیں۔

ہم نے ابھی عرض کی تھی کہ سواد عراق کے زمینوں کے بارے میں ائمہ ثلاثہ کا یہی موقف
۔ وہ وقف علی المسلمین ہیں لیکن احناف کے نزدیک وہ وہاں کے زمینداروں کی ملکیت
ہمارے دوست کی نظر سواد عراق کے مسئلہ کی گہرائی میں نہیں گئی ورنہ ممکن ہے کہ وہ
وستان کی زمینوں کو سواد عراق کی زمین پر قیاس نہ کرتے کیونکہ یہ قیاس ان کے لئے
ثابت ہوا اور ان پر شاعر کا یہ قول صادق آکر رہا ع

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

اسی طرح شیخ الاسلام ابو بکر بن علی بن محمد الحدادالیمنی علیہ الرحمۃ متوفی ۸۰۰ھ
ہرۃ النیرۃ میں لکھتے ہیں کہ:

وارض السواد کلها مملوکۃ	سواد عراق کی تمام زمین زمینداروں کی
لھا یجوز بیعهم لها و تصرفهم	ملکیت ہے وہ اسے بیچ سکتے ہیں اور
لانها فتحت عنوۃ و قهرا	دیگر تصرف بھی کر سکتے ہیں کیونکہ اسے
اهلها علیها و وضع علیهم الخراج	جنگ سے فتح کیا گیا اور ان کے باشندوں
ضم و الجزیۃ علی رؤسهم	پر جزیہ اور خراج مقرر کر دیا گیا لہٰذا زمین
ت الارض مملوکۃ لهم[2]	ان کی ملکیت میں (بدستور) رہی۔

شیخ الاسلام کی اس عبارت سے "فبقیت الارض مملوکة
ء" یعنی سواد عراق کی زمین وہاں کے لوگوں کی ملکیت میں باقی رہی اور اہل سواد
ملیت ثابت ہوئی فقیہ اعظم علامۂ افخم مولانا المحقق شیخ زادہ علیہ الرحمتہ

[1] فتح القدیر شرح الہدایہ: جلد ۶: ص ۳۲
[2] الجوہرۃ النیرۃ، جلد ۲: ص ۲۷۲

مجمع الانہر میں لکھتے ہیں:

وارض السواد مملوکة لاھلھا عندنا خلا فاللشافعی فان عنده وقف علی المسلمین واھلھا مستاجرون[1]	اور سواد عراق کی زمین سواد والوں کی مملوک ہے ہم احناف کے نزدیک، لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک وہ مسلمانوں کے لئے وقف ہے اور ان کے قابض متاجر ہیں۔

اس کے بعد وہی لکھتے ہیں کہ وہ ان میں بیع وہبہ وغیرہ ایسے تصرفات کر سکتے ہیں اس سلسلے میں اور کتبِ فقہ کے حوالہ جات بھی بے شمار ہیں جنہیں یہاں لانا مشکل ہے جن کا یہی لُبِ لُباب ہے کہ سواد عراق کی زمین سواد والوں کی ملکیت ہے۔ یہی احناف کا مذہب ہے۔ اور وہ ان زمینوں میں وہ تمام تصرفات کرنے کا حق رکھتے ہیں جن کا تعلق مالکانہ حقوق سے ہے۔

ایک اور مغالطہ

میرے دوست نے جیسے فتاویٰ عزیزی کی عبارت سے قارئین کو مغالطہ میں رکھا ہے یوں ہی موصوف نے امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کی کتاب الخراج کی عبارت سے بھی قارئین کو مغالطہ میں رکھا ہے چنانچہ موصوف کتاب الخراج کی مندرجہ ذیل عبارت لکھتے ہیں اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دوسرے صحابہ سے فرمایا:

وقد رأیت ان احبس الارضین بعلوجها واضع	میری رائے ہے کہ زمینوں کو مع کاشتکاروں کے سرکاری ملکیت قرار دیدوں اور اس کے

[1] مجمع الانہر: جلد ۱: ص ۶۷۱

علیہم فیہا الخراج — کاشت کاروں کے خراج عائد کر دوں اور
وفی رقابہم الجزیۃ — ان پر فی کس جزیہ مقرر کر دوں جسے وہ ادا
یؤدونہا فتکون — کرتے رہیں اس طرح یہ جزیہ اور خراج
فیئا للمسلمین المقاتلۃ — مسلمانوں کے لئے (ایک مستقل ہنے کا
والذریۃ ولمن — کام دے گا۔ جس کی آمدنی میں مسلمان فوجی،
یاتی من بعدھم — مسلمانوں کی اولاد اور آنے والی نسلیں
حصہ دار ہوں گی۔

ں عبارت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس کے معنی سرکاری ملکیت کے ہوں اگر
سی اور مترجم نے یہ ترجمہ کیا ہے تو بہر صورت اس نے بھی غلط ہی کیا ہے اس
لفظ حبس کے معنی روکنے کے ہیں سرکاری ملکیت میں لینے کے نہیں ہیں۔
رمطلب و مراد یہ ہے کہ میں زمینوں کو تقسیم ہونے سے روکتا ہوں اور جس حالت
ہیں انہیں اسی حالت پر رہنے دیتا ہوں بعض مجاہدین صحابہ کے اس مطالبہ پر
یہ جہاد کرنے والوں میں تقسیم کر دی جائیں عمل درآمد کی اجازت نہیں دیتا۔ یہی
ہوم خود صاحب کتاب امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ لیتے ہیں جیسا کہ ہم شامی کے
دہم ص ۷۰ کے حوالہ سے اس سے قبل امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کا قول نقل
چکے ہیں لہٰذا یہ کہنا کہ:

"ہندوستان کی اراضی کی حیثیت وہی ہے جو حضرت عمرؓ نے السواد یعنی عراق کی متعین فرمائی تھی"۔[1]

[1] اسلامی ریاست کا مالیاتی نظام ص ۷۷

ہمیں تسلیم و منظور ہے اگرچہ اس پر جناب نے کوئی دلیل قائم نہیں فرمائی لیکن اس حد تک تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ فقہاء احناف نے عراق کے سواد و دیہات کی زمینوں کے بارے میں جو مؤقف اختیار کیا کہ وہ ان دیہاتیوں اور زمینداروں کی ملکیت ہیں وہ ان میں تمام مالکانہ تصرفات کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ جناب موصوف کے موقف کے برعکس ہے۔ چنانچہ محترم لکھتے ہیں :

"اب پاکستان بن جانے کے بعد حکومت پاکستان مملکت کی تمام زمینوں کی اصل مالک ہے اور جو کاشت کاران زمینوں پر کاشت کرتے ہیں ان کو اس طرح کے قابضانہ حقوق حاصل ہیں کہ وہ ملکیت کی حد تک پہنچ جاتے ہیں یعنی یہ کہ انہیں ان زمینوں سے حکومت بھی بے دخل نہیں کر سکتی جب تک وہ زندہ ہیں اس سے انتفاع کا حق رکھتے ہیں ان کی موت کے بعد اگر کوئی لڑکا ہے تو یہ زمین اسے وراثت میں منتقل ہو جائے گی لیکن بیچنے کی کسی کو اجازت نہیں ہو گی اگر کوئی قابض زمین کو ایسا ہی چھوڑ دے گا تو وہ خود بخود حکومت کی ملکیت میں چلی جائے گی۔"[1]

پروفیسر صاحب کی تحریر بھی ایک عجوبہ سے کم نہیں ہوتی۔ آپ نے عبارت مندرجہ بالا میں کئی ایک متضاد باتیں فرمائی ہیں یعنی پہلے تو زمین کا اصلی مالک حکومت کو قرار دیا۔ پھر کاشت کاروں کے قابضانہ حقوق ملکیت کی حد تک

[1] اسلامی ریاست کا مالیاتی نظام : ص ۷۷

تسلیم کر لینے کے بعد گویا کاشت کاروں کو بھی مالک تسلیم کر لیا ہے چونکہ بیک وقت دو شخص ایک ہی چیز کے مالک نہیں ہو سکتے اس لیے کاشت کار جب مالک ٹھیرے تو حکومت مالک نہ رہی وہی کاشت کار مالک ہوئے جب کاشت کار مالک ہوئے تو انہیں بیع و شراء اور ہبہ و اجارہ ایسے تمام مالکانہ حقوق حاصل ہونا چاہیئے ہاں اگر موصوف کی مراد یہ ہو کہ اصلی مالک تو حکومت رہتی ہے۔ البتہ بوجہ قبضہ کاشت کاروں کو چند تصرفاتِ محدودہ کی اجازت ہوتی ہے تو پھر موصوف کے اس ارشاد کو کس مفہوم پر محمول کیا جائے گا کہ:

"اگر کوئی تابعض زمین کو ایسا ہی چھوڑ دے گا تو وہ خود بخود حکومت کی ملکیت میں چلی جائے گی"

کیونکہ حکومت کی ملکیت میں دوبارہ چلے جانے کا مفہوم تو یہی ہے کہ حکومت زمین کی مالک نہیں رہی تھی بلکہ . . . . کاشت کار ہی مالک ٹھیرے تھے۔ جبھی تو واپس حکومت کی ملکیت میں چلی جائے گی۔ یہ متضاد باتیں ہیں جو جناب موصوف نے فرمائی ہیں۔

ہم واضح کر چکے ہیں کہ عراق کی زمینوں کے بارے میں اس طرح کا موقف ائمہ ثلاثہ کا ہے احناف کا نہیں ہے اگر جناب اسی مسلک کو اختیار فرماتے ہیں تو پھر واضح فرمائیں کہ ان کا عندیہ احناف کے عندیہ و نظریہ کے برعکس شوافع وغیرہم عندیہ و نظریہ سے مطابقت رکھتا ہے پھر اس صورت میں انہیں دلائل سے ثابت کرنا ہوگا کہ ہندوستان اور پاکستان کی زمین کا وہی حکم ہے جو سواد عراق کا حکم ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ موصوف ایسا ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہوں گے کیونکہ ہم شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کا ارشاد گرامی ان کے فتاویٰ سے نقل کر چکے ہیں کہ:

"زمینے کہ مملوک بیت المال است دریں ملک موجود نیست [1]
یعنی جو زمین بیت المال کی ملکیت ہوتی ہے اس ملک (ہندستان)
میں موجود نہیں ہے۔

البتہ شیخ جلال تھانیسری علیہ الرحمۃ کی تحقیق جیسا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں یہی ہے کہ ابتداء فتح میں ہندوستان کی زمین سواد عراق کی مانند تھی، مگر اس کے بعد شیخ جلال صاحب کا یہ ارشاد کہ سواد عراق کی زمین بیت المال کی ملکیت اور وقف علی المسلمین تھی ائمہ ثلاثہ کے خیال کے مطابق تو درست ہے مگر احناف کے نزدیک درست نہیں کیونکہ احناف کے نزدیک تو سواد عراق کی زمین سوادیوں کی ملکیت تھی، جیسا کہ ہم متعدد کتب فقہ کے حوالوں سے عرض کر چکے ہیں ممکن ہے کہ شیخ موصوف حنفی مسلک کے علاوہ ائمہ ثلاثہ میں سے کسی کے مسلک پر ہوں اگر دلائل سے ثابت ہو جائے کہ ہندوستان کی زمین واقع میں سواد عراق کی زمین کی طرح تھی تو اس بات کو تسلیم کرنے کے بعد کہ زمین زمینداروں اور کاشت کاروں کی ملکیت ہو گی اس پر عشر کی بجائے خراج عائد کرنا ہوگا اور ذاتی ملکیت خراج کے منافی ہرگز نہیں راقم کا خیال ہے کہ غالباً پروفیسر صاحب ہندو پاک کی زمینوں کو بیت المال یا سرکار کی ملکیت اس لئے قرار دے رہے ہیں کہ ان پر عشر کی بجائے خراج عائد کرانا چاہیئے مگر ہمارے دوست غلط فہمی میں ہیں کیونکہ خراج کے لئے ضروری نہیں کہ متعلقہ زمین بیت المال ہی کی ملکیت ہو یا حکومت ہی اس کی مالک ہو بلکہ عوام کی ذاتی ملکیتِ زمین بھی اگر خراج

[1] فتاویٰ عزیزی، جلد ۱: ص ۳۴

کے ضابطہ میں آتی ہے تو بہر صورت اس پر خراج ہوگا۔ چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:
الخراج لاینافی الملک [1] یعنی خراج ذاتی ملکیت کے منافی نہیں ہے۔

جناب مفتی محمد شفیع دیوبندی کی رائے

علماء دیوبند کے جناب مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

"تاریخ سندھ و ہند اس قسم کے واقعات سے لبریز ہے کہ مالکان سابق کو ان کی اراضی پر بدستور قائم رکھا گیا اور اس کے خلاف ایک نظیر بھی کسی مفتوح ملک میں نظر نہیں آتی کہ وہاں کے عام باشندوں کو ان کی اراضی سے بیدخل یا مالکانہ قبضہ کو تبدیل کر کے اجارہ داری کا قبضہ قرار دیا گیا ہو اور مالکانہ تصرفات بیع و شراء یا ہبہ و وقف سے روکا گیا ہو [2]"

موصوف کی اس عبارت سے اس دعویٰ کی مکمل طور پر تردید ہو جاتی ہے کہ:

"جن لوگوں کا زمینوں پر قبضہ ہے وہ اس کے مالک اصلی نہیں وہ اس زمین سے استفادہ کر سکتے ہیں [3]"

ہم ایک اور غلط فہمی کا ازالہ کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ موصوف متضاد خیالات کا شکار ہیں اور فقہی وقائق سے

[1] فتاویٰ شامی، جلد ۴، ص ۱۸۰
[2] القول الماضی: ص ٦٦
[3] اسلامی ریاست کا مالیاتی نظام: ص ۵۷

بے خبری، موصوف ایک طرف تو پاکستان اور ہندوستان کی زمینوں کو سرکاری یعنی بیت المال کی ملکیت قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف ان زمینوں پر خراج نافذ کرنے پر زور دیتے ہیں جبکہ بیت المال کی اراضی پر خراج نہیں بلکہ بدل اجارہ ہے چنانچہ فتاوی شامی میں ہے:

اذا کانت الارض لبیت	یعنی جب زمین بیت المال کی ملکیت ہو اور
المال وتدفع مزارعة	کاشت کاروں کو مزارعت کے طور پر
للمزارعین فالماخوذ	دی جائے تو جو ان سے لیا جائے گا وہ بدل
منہ بدل اجارة لاخراج ؎۱	اجارہ ہوگا خراج نہ ہوگا۔

امام ابن نجیم علیہ الرحمۃ بحر الرائق میں لکھتے ہیں کہ:

اراضی مصر لیست مملوکة	مصر کی زمینیں کاشت کاروں کی ملکیت
للزارع انما الماخوذ منہا اجرة ؎۲	نہیں ان سے صرف اجرت لی جاتی ہے۔

لہٰذا اگر ہندوستان کی زمینوں کو بیت المال کی زمینیں قرار دیا جائے تو ان پر خراج کی بجائے اجرت لگانے کا مطالبہ کرنا چاہیئے۔ جبکہ ہماری تحقیق اس کے برعکس ہے کہ یہ بیت المال کی زمینیں ہیں۔

ہندوستان کی زمینوں کی کیفیت

ہندوستان کی فتوحات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے کچھ باشندے فتح کے وقت مسلمان ہوگئے اور کچھ علاقہ کے لوگ مسلمان تو نہیں ہوئے تھے بلکہ صلح کی صورت

؎۱ فتاوی شامی: جلد ۴: ص ۹۰
؎۲ البحر الرائق: جلد ۵: ص ۱۱۴، ۱۱۵

ہیں اور جنگ کئے بغیر اطاعت کرنے اور خراج ادا کرنے پر راضی ہو گئے اور بعض علاقے جنگ و جدال کے ذریعے فتح ہوئے۔ پہلی قسم کے علاقوں پر تو عشر ہی ہوگا اور دوسری صورت میں خراج اور تیسری صورت میں اسبات کا احتمال ہے کہ وہ زمینیں مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی ہوں اس صورت میں ان پر عشر ہوگا۔ اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس کی کچھ زمینیں بیت المال کی ملکیت میں دے کر ان پر اجرت لگا دی گئی ہو۔ لیکن اس وقت کسی خاص زمین کے بارے میں ممکن نہیں کہ اس قسم کا کوئی فیصلہ کیا جائے تو جہاں یہ صورت ہوتی ہے وہاں عشر ہی واجب ہوتا ہے کیونکہ مسلمان کے شایان شان عشر ہی ہے خراج نہیں ہے جیسا کہ کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ پاکستان میں جو زمینیں یہاں کے غیر مسلموں کے تصرف میں ہیں یا جو سرکاری ملکیت ہیں اور مزارعین کاشت کا کام کرتے ہیں ان کی آمدنی سے وصولی کا مسئلہ مختلف ہوگا وہ یہ کہ حکومت غیر مسلموں سے خراج لے گی اور سرکاری زمینوں پر اجرت لگائے گی اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ان دونوں آمدنیوں سے سڑکیں، ہسپتال وغیرہ ایسے قومی و عوامی فلاحی کاموں پر خرچ کیا جا سکے گا جبکہ عشر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے۔